# موجودہ ہندوستان میں اقبال ★

سید صباح الدین عبدالرحمن

ڈاکٹر اقبال ہم دار المصنفین شبلی اکیڈمی والوں کے دل و دماغ پر برابر چھائے رہے ۔ پہلے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ سناؤں ، جب میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا طالب علم تھا تو ایک ایجوکیشنل ٹرپ وہاں سے دہلی اور امرت سر ہوتا ہوا لاہور پہنچا ، جہاں لوگ ڈاکٹر اقبال کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہوئے ، ہم میں سے کسی نے ان کو دیکھا نہیں تھا، میں ان کی بانگ درا ، اسرار خودی ، رموز بے خودی اور زبور عجم پڑھ چکا تھا ۔ ان کے فلسفہ خودی اور بے خودی سے کچھ آشنا ہو چلا تھا، مگر ان کی نظموں میں شکوہ ، جواب شکوہ ، خضر راہ ، طلوع اسلام اور فریاد تبسم سے بہت متأثر تھا ۔ ان کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا چاہتا تھا ۔ ساتھیوں نے ان سے وقت مانگا تو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا نام سن کر ملنے کا وقت مقرر کر دیا ۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ میکلوڈ روڈ میں ان کی کوٹھی کی طرف چلا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آرزوؤں کی جنت میں داخل ہونے جا رہا ہوں۔ ہم لوگ ان کے ڈرائینگ روم میں بٹھائے گئے جو زیادہ سامان سے آراستہ نہ تھا ۔ وہ بغل کے کمرے سے قمیض اور شلوار پہنے ڈرائینگ روم میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے، ملازم نے ان کا حقہ لا کر ان کے پاس رکھ دیا ۔ بجلی کی سرعت سے

---

★ یہ مقالہ مرحوم نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام یوم اقبال منعقدہ ۹ ۔ نومبر ۱۹۷۶ء میں پیش فرمایا تھا ۔

میری نگاہ ان کی طرف اٹھی کہ مسلمانوں کو صداقت کا ، شجاعت کا، امامت کا سبق دینے والا ، نیل سے کاشغر تک مسلمانوں کو ایک کرنے والا، طلوع اسلام لکھ کر مسلمانوں کو حیات نو کا مژدہ سنانے والا ، اپنے رب سے دل مسلم میں زندہ تمنا مانگنے والا ، مسلمانوں کی روح کو تڑپانے اور ان کے قلب کو گرمانے والا، انسان کو خودی کا پیام دے کر ، اس کو اپنی ہستی کے اسرار اور زندگی کے سوز و ساز کا احساس دلانے والا اور پھر انفرادی زندگی کے جزء کو قومی زندگی کے کل میں شامل کرکے یکدلی اور یکجہتی کی بنیاد رکھنے والا، اور اپنی غزلوں کے ذریعے سے سرود زندگی میں حرارت آتش پیدا کرنے والا سامنے ہے۔ آنکھوں کو نور بخش رہا ہے۔ دماغ کو روشن کر رہا ہے۔ ذہن پر ایک ٹھنڈی چاندنی بکھیر رہا ہے۔ ساتھیوں سے فرداً فرداً خیریت پوچھی ، مسلم یونیورسٹی کا حال پوچھا ، میں نے بے تابانہ ان کی طرف اپنی آٹو گراف بک بڑھا دی ۔ جس میں انھوں نے بڑے صاف اور پاکیزہ حروف میں تحریر فرمایا ۔

صحبت پیر روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

یہ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے ، گزشتہ ۴۳ سال سے ان کے کلام کو اسی شعر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، پھر اپنے استاد المکرم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی صحبت اور ان کی تحریروں سے ڈاکٹر اقبال کی عظمت کا قائل ہوتا گیا ۔ جنھوں نے اپنی مثنوی اسرار خودی، رموز بیخودی، پیام مشرق ، بال جبریل اور ضرب کلیم بھیج کر ان سے ان کی رائے طلب کی ، حضرت سید صاحب نے معارف میں ان پر ریویو لکھ کر اپنا خراج عقیدت پیش کیا، مثلاً ان کی مثنوی رموز بیخودی پر ریویو کرتے ہوئے تحریر فرمایا ۔

,, یه ناممکن ہے که جو مصرعه ڈاکٹر اقبال کی زبان سے نکل جائے ، وہ تیر و نشتر بن کر سننے والوں کے دل و جگر میں نه اتر جائے ، شاید اس کا سبب یہی ہے که ڈاکٹر اقبال اپنے مخاطب کے احساسات پر مذهب، فلسفه، تصوف اور شاعری کی راہ سے حمله کرتے هیں ،، ۔

آخر میں لکھتے هیں :

,,ڈاکٹر اقبال نے جو اسرار و نکات اس میں حل کئے هیں، ان کی بناء پر یه مثنوی نه صرف شاعری اور فن قومیات کا ایک رساله ہے بلکه همارے خیال میں جدید علم کلام کی ایک بہترین کتاب ہے ، توحید کا ثبوت، رسالت کی ضرورت ، قرآن پر ایمان رکھنے کا سبب، فیصله کی حاجت وغیرہ اعتقادی مسائل پر نہایت پر اثر اور تشفی بخش دلائل اس کے اندر موجود هیں ( معارف اپریل ۱۹۱۸ء) ۔

ڈاکٹر صاحب نے سید صاحب کے ریویو کی قدر کی، ایک مکتوب میں ان کو تحریر فرمایا ۔

,, معارف میں ابھی آپ کا ریویو مثنوی رموز بیخودی پر نظر سے گذرا ہے ، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لئے سرمایه افتخار ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ۔ (اقبال نامه مرتبه شیخ عطاء اللہ ص ۸۱) ۔

ایک اور موقع پر سید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے بعض محاورات و تراکیب کے متعلق اپنے شکوک کا اظہار کیا، مثلاً ان کے نزدیک بحر تلخ رو ( کلمه به سکون لام) باریک تر از جو (بمعنی کم در عرض و عمق) کوری ذوق ، محفل از ساغر رنگین کردن، سرمه او دیده مردم شکست، ساز برق آهنگ، از گل غربت ( بمعنی شر) نوا بالیدن، صبح آفتاب اندر قفس ، سپر کردن وغیرہ جیسے محاورات اور تراکیب صحیح نہیں تھیں لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان کی سند ناصر علی ،

صائب، زلالی، ظہوری ملا طغرا اور بہار عجم سے پیش کر دی تو سید صاحب نے پھر ان کے عدم صحت پر اصرار نہیں کیا ۔ مگر اسرار خودی کے بعض قوافی کے متعلق سید صاحب کی تنقیدوں کو صحیح ماننے میں ڈاکٹر صاحب کو تأمل نہیں ہوا ، اس لئے ان کو اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ۔

,,قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے فرمایا ، بالکل بجا ہے ، مگر چونکہ شاعری اس مثنوی سے مقصود نہ تھی ، اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا، اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں تقریباً ہر صفحہ پر اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں .... تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں میں ان سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کروں گا ۔ ،،
( اقبال نامہ ص ۸٦) ۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے جھکتے رہے اسی میں دونوں کی عظمت ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے سید صاحب کو جو خطوط لکھے ہیں وہ اقبال نامہ میں بہت لطف و لذتِ سے ہندوستان میں پڑھے جاتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب اپنے بلند مرتبہ اور عالمگیر شہرت کے باوجود جس خاکسارانہ انداز میں اپنی علمی و مذہبی مشکلات کو سید صاحب کے سامنے پیش کرتے رہے اس سے اس دانائے راز، پیامبر خودی ، محی الملت و الدین اور ناہید نفس شاعر کی عظمت دلوں کی گہرائیوں میں قائم ہوئے بغیر نہیں رہتی ، عالم اسلام کا یہ شاعر ، توقیر آدم کا یہ مبلغ، مشرق کو خواب گراں سے بیدار کرنے والا یہ مفکر جب سید صاحب کو علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد ، استاذ الکل ، اور صاحب کشف کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو اس کی فراخدلی علم شناسی اور پاک طبیعتی کے جلوے اور بھی نمایاں ہو جاتے ہیں ، خود سید صاحب کو ڈاکٹر صاحب سے بڑا والہانہ لگاؤ رہا ، **۱۹۳۳**ء میں افغانستان کے حکمران نادر شاہ کی دعوت پر وہ ڈاکٹر صاحب اور

سرراس مسعود کے ساتھ وھاں گئے تو اپنے سفرنامہ سیر افغانستان میں ڈاکٹر صاحب کا ذکر انتہائی محبت، عقیدت اور اخلاص سے کیا ہے۔ واپسی پر ایک روز اپنی نجی صحبت میں فرمایا کہ اس سفر میں ایک موقع پر انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ جب تک ھندوستان میں ان کی شاعری باقی ہے ھندوستان میں اسلام باقی رھے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ اس کی بجائے یہ کہنا درست ھوگا کہ مولانا شبلی اور دار المصنفین کی مطبوعات جب تک ھندوستان میں باقی ھیں، ھندوستان میں اسلام باقی رھے گا سرراس مسعود نے اس گفتگو کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ پھر اس طرح کیوں نہ کہا جائے کہ جب تک ڈاکٹر اقبال کی شاعری اوز مولانا شبلی اور دار المصنفین کی مطبوعات ھندوستان میں باقی ھیں یہاں اسلام باقی رھے گا۔ یہ سن کر دونوں ھنس پڑے۔ سید صاحب ھم لوگوں سے برابر فرمایا کرتے کہ اسلام میں ڈاکٹر اقبال کے اتنا بڑا مفکر عرصہ دراز کے بعد پیدا ھوا ہے، جب ان کی وفات کی خبر سنی تو انتہائی اضطراب میں دیر تک ٹہلتے رھے، معارف کے شذرات میں ان کی وفات پر جو اظہار غم کیا ہے وہ ان کی ادبی تحریروں کے شاھکاروں میں ہے، وہ رقمطراز ھوئے۔

,, ایسا عارف فلسفی ، عاشق رسول شاعر ، فلسفہ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ھوا ، اس کے ذھن کا ھر ترانہ بانگ درا ، اس کی جان حزیں کی ھر آواز زبور عجم ، اس کے دل کی ھر فریاد پیام مشرق ، اس کے شعر کی ھر پرواز بال جبریل تھا، اس کی فانی عمر ختم ھو گئی لیکن اس کی زندگی کا ھر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاء اللہ رھے گا،، (مئی ١٩٣٨ء معارف)

دار المصنفین کی مطبوعات میں ایک کتاب اقبال کامل ہے، اس کی اشاعت پر اس کو فخر ہے ، ھندوستان کے مشہور ادیب جناب

پروفیسر رشید احمد صدیقی مجھ سے برابر کہتے رہتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں ڈاکٹر اقبال اسی کتاب کے ذریعے سے سمجھے گئے ۔ کیونکہ اس کے مصنف مولانا عبدالسلام ندوی نے ڈاکٹر اقبال کے فلسفیانہ رموز اور شاعرانہ نکات کو جس آسان، سلیس اور دل نشین انداز میں سمجھایا ہے ، کوئی اور نہ سمجھا سکا ہے ۔ معارف میں اقبالیات پر برابر مضامین نکلتے رہتے ہیں ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ فلسفہ کے استاد ڈاکٹر عشرت انور زبیری نے معارف کی کئی اشاعتوں میں ڈاکٹر اقبال اور یورپی فلسفیوں کے خیالات کا بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے ، جو بہت شوق سے پڑھا گیا ۔ جناب شاہ معین الدین احمد ندوی نے ,, کیا اقبال فرقہ پرست تھے ،، کے عنوان سے ایک کتاب میں مفصل اور پر مغز مضمون معارف میں لکھا ، جس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں ۔ انھوں نے ندوۃ العلماء لکھنو میں ڈاکٹر اقبال پر ایک توسیعی لیکچر دیا، جس میں ان کی عظمت کے جلوہ صدرنگ کو بڑی خوبی سے دکھایا ہے ، یہ بھی معارف میں چھپا۔

اس خاکسار نے ڈاکٹر اقبال اور علامہ سید سلیمان ندوی کے تعلقات کے عنوان سے ایک طویل مقالہ لکھا جو جناب شورش کشمیری مرحوم کے ھفتہ وار اخبار ,, چٹان ،، کے اقبال نمبر میں چھپا ۔ پھر یہ معارف میں بھی شائع کیا گیا ۔ پٹنہ کے ایک بیرسٹر ڈاکٹر سچنانند سہنا نے انگریزی میں ,, اقبال ہز ٹائمس اینڈ ورکس ،، کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں انھوں نے صحافتی انداز میں ڈاکٹر اقبال کی شاعرانہ عظمت کو بہت ھی فروتر دکھانے کی کوشش کی ۔ اس کو پڑھ کر میں نے انگریزی میں ایک طویل تبصرہ لکھا ، جس میں بیرسٹر صاحب کی عدم رواداری اور شعر و ادب کی ناقدر شناسی کی پردہ کشائی کی ، یہ تحریر لاہور کے انگریزی رسالہ اسلامک لٹریچر میں شائع ہوئی ۔ جولائی ۱۹۷۵ء کے معارف میں

ہندوستان کے مشہور شاعر جناب جگن ناتھ آزاد کا ایک بہت اچھا مضمون ,, اقبال کے کلام میں عورت کی حیثیت ،، کے عنوان سے شائع ہوئی ، پھر ۱۹۷۶ء میں ان ہی کا ایک بہت پر مغز اور مفید مقالہ ,,اقبال اور اشتراکیت،، کی سرخی کے ساتھ معارف کی کئی اشاعتوں میں چھپا ۔

ڈاکٹر اقبال نے جو خطوط سید صاحب کو لکھے تھے ان کو ایک بہت ہی عمدہ جلد میں بندھوا کر دار المصنفین کی اور بیش بہا علمی دولت کے ساتھ محفوظ رکھا گیا ہے۔ ایک پاکستانی دوست نے اس مجموعہ کو کراچی میوزیم کیلئے یہ کہہ کر طلب کیا کہ دار المصنفین اس کے بدلے جو بھی قیمت طلب کرے گا نذر کی جائے گی میں نے اس پیش کش کا جواب یہ کہہ کر دیا کہ اگر ڈاکٹر اقبال آپ کے لئے شوکت، رفعت اور عظمت کے باعث ھیں تو وہ ھماری علمی، ادبی اور مذھبی وراثت کے بھی عزت اور آبرو ھیں ۔ ھمارے پاس بھی کچھ ایسی چیزیں رھنے دیجیئے، جن سے ھماری بھی علمی آبرو اور عزت بڑھے ۔

ہندوستان میں اس وقت ڈاکٹر یوسف حسین کی ,, روح اقبال ،، بہت مقبول ہے ، وہ اقبال کے بہت بڑے پرستار ھیں، ان کے متعلق لکھتے ھیں ۔

,,اقبال کے جسم خاکی میں ایک مصلح حیات کی عرفان جو، صداقت پسند اور نظم آفریں روح تھی جو جذبہ دینی کے تحت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ضبط و نظم قائم کرنا چاھتی تھی ، وہ شاعر بھی تھا اور حکیم نکتہ داں بھی، اس کے ھاں درد رموز بھی ہے اور رندی و مستی بھی ، نصیحتیں بھی ھیں اور دین و تمدن کی تعلیم بھی ، عقل و مستی کی ابدی کشمکش کا بیاں بھی ، حسن کی کرشمہ سازیوں کی تعاشی بھی، اقبال کی نظر حقیقت اور مجاز

دونوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ کبھی وہ والہانہ انداز میں انسانی جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اور کبھی اپنے افکار عالیہ سے تقدیر کے سر بستہ رازوں کا انکشاف کرتا ہے، وہ کبھی زندگی کے قافلے کو طوفان و ھیجان سے ضبط و نظم کی طرف بڑھائے لئے جاتا ہے اور کبھی اپنے علم پرور حکیمانہ مشوروں سے ضبط و نظم کی تعلیم دیتا ہے، غرض کہ زندگی کی ھنگامہ آرائیوں کا کوئی راز اس کی بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی زندگی میں مشرق و مغرب کے علم و حکمت کے دھارے آ کر مل گئے تھے، جتنا زمانہ گزرے گا، اتنا ھی اس کے کلام کی تاثیر بڑھتی جائے گی۔ ادب اس کی خدمت کی قدر کرے گا، فلسفہ اس کے تخیل و وجدان سے بصیرت افروز ھوگا، سخن آرائی اس کی نازک خیالی پر وجد کرے گی۔ اس نے اپنے پیغام کے طلسم سے پوری قوم کی رگوں میں زندگی کی لہر پیدا کر دی ہے" (روح اقبال ص ۱۵ ۔ ۱۳)۔

ڈاکٹر یوسف حسین کی اس کتاب کی بدولت ڈاکٹر اقبال کی شاعرانہ عظمت خوب سمجھی جا رھی ہے۔ خواجہ غلام السعدین مرحوم کی Iqbal's Educational Philosophy کے ذریعے ان کے نظریہ تعلیم کے سمجھنے میں آسانی ھو رھی ہے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنو نے عربی میں "روائع اقبال" لکھی ہے جس کا اردو میں نقوش اقبال اور انگریزی میں Glory of Iqbal کے نام سے ترجمہ ھوا، اس کے فاضل مصنف نے اقبال کے پیامات، افکار اور تصورات کے لافانی نغموں اور ان کی دعوت فکر و عمل کو عربی زبان میں منتقل کرکے ان کے اس ایمان و یقین کو بلاد عربیہ تک پہنچایا ہے کہ مغربی تہذیب اپنا رول ادا کرچکی، اس کا وقت پورا اور اس کا ترکش خالی ھو چکا ہے، یہ پکے ھوئے پھل کی طرح ٹوٹ کر گرنے والا ہے، آئیندہ اس دنیا کی تعمیر وھی کر سکتا ہے جس نے

انسانیت کے لئے دنیا میں بیت الحرام بنایا تھا اور ابراھیم و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے وارث ھوئے تھے اور دنیا کی قیادت کا علم سنبھالا تھا، اب پھر وقت آ گیا ہے کہ بانی بیت الحرام اور حامل پیام اسلام عالمی قیادت کے لئے میدان میں آئے اور مغرب کے پیدا کردہ فساد کو اصلاح ، بگاڑ کو بناؤ اور تخریب کو تعمیر سے بدل دے اور قواعد ابراھیمی اور سنت محمدی کے نقشہ کے مطابق دنیا کی تعمیر نو کرے (نقوش اقبال ص ۱۵۸ ـ ۱۵۷ )

ھندوستان میں اس وقت ڈاکٹر اقبال کے پرستاروں میں سب سے نمایاں حصہ جناب جگن ناتھ آزاد کا ہے ، وہ اردو کے مشہور شاعر تلوک چند مرحوم کے لائق فرزند ھیں، خود بھی بہت ھی اچھے اور مقبول شاعر ھیں ـ ان کو ڈاکٹر اقبال کی ھر چیز سے عشق ہے ، انھوں نے ان کی تحریروں، کتابوں اور خطبوں کی ایک نمائش مرتب کر رکھی ہے ، جس کو مختلف شہروں میں دکھا کر لطف و لذت حاصل کرتے ھیں ، وہ اسی محبت میں اسپین گئے جہاں جا کر قرطبہ دیکھا ، اس پر ڈاکٹر اقبال کی نظم بہت مشہور ہے وہ جگہ بھی ڈھونڈھ نکالی جہاں بیٹھ کر انھوں نے دعا مانگی تھی، وہ میونخ بھی گئے جہاں ڈاکٹر صاحب نے تعلیم پائی تھی، انھوں نے بڑی فراخدلی سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ڈاکٹر اقبال مذھبی اور اسلامی شاعر تھے جو ان کا کوئی نقص نہیں ـ آخر ویاس نے ,,مہا بھارت،، والمیکی نے ,,رامائین ملٹن نے ,, پیراڈایز لاسٹ ،، اور دانتے نے ,, ڈیوائن کامیڈی ،، لکھ کر اپنے کو دنیا کے عظیم ترین شاعروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے ، تو پھر اسی صف میں ڈاکٹر اقبال کو کیوں نہ جگہ دی جائے ـ ۱۹۴۷ء کے بعد ڈاکٹر اقبال ھندوستان کے تعلیمی اداروں سے نکال دیئے گئے تھے ـ میرا اپنا خیال ہے کہ جگن ناتھ آزاد کی جرأت مندانہ تحریروں کی بدولت پھر وھاں کے تعلیمی اداروں میں واپس بلائے گئے ھیں ـ جہاں

ان کی مقبولیت بڑھتی جا رھی ہے ، بعض یونیورسٹیوں میں ان پر توسیعی لیکچر بھی دیئے گئے ھیں، ان کا صد سالہ جشن بھی ھماری مرکزی حکومت کی طرف سے منایا جانے والا ہے۔ اس کے لئے کئی کمیٹیاں بھی بن گئی ھیں ۔ ان کی نیشنلزم بھی زیر بحث ہے اس سلسلہ میں جگن ناتھ آزاد نے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ ان کی وطنی نظموں میں اسلام کا ھمہ گیر نظریہ موجود ہے اور ان کے اسلام کے ھمہ گیر نظریوں میں وطنیت پائی جاتی ہے۔ جگن ناتھ آزاد ھی کے قلم سے یہ نکتہ وری زیادہ مؤثر ھو سکتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے خضر راہ ، پیام مشرق اور زبور عجم میں مزدوروں کی جو حمایت کی ہے یا جاوید نامہ میں اشتراکیت پر جو بحث کی ہے یا لینن خدا کے حضور میں اور فرمان خدا وغیرہ کے عنوانات سے جو نظمیں کہی ھیں ان کو سامنے رکھ کر بعض اھل قلم اپنی ذھانت کی تیزی اور طراری سے ان کو سوشلسٹ بھی ثابت کر رہے ھیں، مگر جگن ناتھ آزاد نے ان ھی کی تحریروں سے اس کی پوری تردید کر دی ہے ، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر نقل کی ہے۔

,,اسلام ھیئت اجتماعیہ انصافیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا ۔ وہ ھیئت اجتماعیہ انصافیہ کے کسی اور ذھن سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ھر دستور العمل جو غیر اسلامی ھو نامعقول و مردود ہے ،، ( مضامین اقبال ص ۱۸۲، معارف فروری ۱۹۷۶ء ص ۸۹) ۔

ڈاکٹر اقبال نے تو مسولینی پر بھی ایک نظم کہی ہے ، پھر تو ان کو فاشزم کا بھی حامی کہا جا سکتا ہے وہ ایک عظیم مفکر ھونے کے ساتھ شاعر بھی تھے ، کبھی کبھی حالات سے متأثر ھو کر شاعرانہ

انداز میں ایسی نظمیں بھی کہہ جاتے تھے ۔ ورنہ اگر ان کے پورے کلام کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو سیدھے سادے الفاظ میں یہ کہنے میں شرمانا نہ چاہیئے کہ وہ خالصتاً ایک اسلامی مفکر تھے جو یہ پیام دے کہ :

گر تومی خواهی مسلمان زیستن　　نیست ممکن جزبه قرآن زیستن

وہ مسلمان شاعر کے سوا کیا اور کچھ ہو سکتا ہے وہ قرآن حکیم کی تعلیمات سے متأثر ہو کر مسلمانوں میں صبغة اللهی رنگ دیکھنا چاھتے ھیں یعنی اگر ان میں عشق الٰھی نہیں تو وہ کافر ھیں ۔

قلب را از صبغة الله رنگ ده　　عشق را ناموس و ننگ ده

طبع مسلم از محبت قاهر است　　مسلم از عاشق نباشد کافر است

ان کے نزدیک مسلمانوں کا آئین وہ زندہ کتاب ہے جو قرآن حکیم کہلاتا ہے اسی کی بدولت ان کا پیکر زندہ رہ سکتا ہے ۔

توهمی دانی که آئین تو چیست؟　　زیر گردوں سیر تمکین تو چیست

آں کتاب زنده قرآن حکیم　　حکمت اولا یزال است و قدیم

از یک آئینی مسلمان زنده است　　پیکر ملت ز قرآں زنده است

قرآن حکیم ھی کے مطالعہ سے وہ اپنی شاعری میں انسانیت کو بلند رتبہ دے گئے ھیں، ان کے نزدیک انسان خدا کی برگزیدہ مخلوق ہے وہ اپنی تمام کوتاھیوں کے باوجود زمین پر خدا کا نائب بن سکتا ہے وہ آزاد شخصیت کا امین ہے انھوں نے قرآن حکیم ھی کے ذریعے سے اپنی شاعری میں گم شدہ انسان کی تلاش کی ہے ۔ اور اس کو خودی کی دولت سے مالا مال کرکے صاحب لولاک بنانا چاھا ہے ، وہ تو انسان کو کائنات کی روح بن کر اس پر حکمرانی کرتے ہوئے دیکھنا چاھتے ھیں ، ان کے یہاں انسان کامل ، مرد مومن اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں ۔ مسلمان ایک انسان کامل بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے میں ایمان کی قوت، یقین کی ناقابل تسخیر طاقت ، قہاری، غفاری،

قدوسی، جبروت، شکوہ ترکمانی، ذھن ھندی اور نطق اعرابی پیدا کرے ۔

ھندوستان میں اقبال کے فکر و فن ، فلسفہ خودی، رموز بے خودی فنون لطیفہ اور نظریہ تعلیم پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے ، ھندوستان کی عظمت پر ان کے جتنے اشعار ھیں وہ بھی جمع کرکے پیش کئے جا رھے ھیں ۔ ان کا ترانہ ھندی بھی گایا جاتا ہے ۔ نیا شوالہ ، ھمالہ رام، نانک، سوامی رام، تیرتھ وغیرہ پر ان کی جو نظمیں ھیں ان کا ذکر کرکے ان کی رواداری ، حب الوطنی اور فراخدلی بھی ثابت کی جا رھی ہے ان کی غزلیں اور نظمیں جہاں بھی پڑھی جاتی ھیں، سننے والے اعتراف کرتے ھیں کہ ان سے ان کے لطیف جذبات میں تلاطم پیدا ھوتا ہے اور ان کے احساسات و کیفیات میں لہریں امنڈنے لگتی ھیں۔

جہاں ان کی شاعرانہ عظمت میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے وھاں ان کے فکر و فن سے متعلق کچھ اختلاف بھی ہے ۔ مثلاً ھندوستان کے بعض علمی حلقوں میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اقبال یورپی اور غیر اسلامی فلسفوں میں سے برگساں، نطشے ، کانٹ، شوپنہار، جیمس وارڈ اور ولیم جیمس وغیرہ سے متأثر ھوئے ۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ انھوں نے ان فلسفیوں کا مطالعہ ضرور کیا ہے لیکن قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی ان کے خیالات کا اصلی سرچشمہ رھا ۔ ان کے نزدیک مولانا جلال الدین رومی بھی صحیح معنوں میں قرآن و سنت کے پابند رہ کر اپنے افکار کا اظہار کرتے رھے ۔ اس لئے انھوں نے ان کو اپنا مرشد معنوی بنایا، اور ان ھی کے مرید بن کر اپنے سارے خیالات کا اظہار کرتے رھے ۔ اس طرح وہ صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ ، حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمانؓ، اور حضرت بلالؓ سے متأثر ھیں ۔

حکماء میں بو علی سینا، ابن مسکویه، ابن خلدون، امام غزالی، حکیم سنائی، شیخ فرید الدین عطار اور فارابی ان کے خیالات پر اثر انداز ہوئے ـ بزرگان دین میں حضرت فضیل بن عباسؒ ، حضرت با یزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابو سعید ابو الخیر، حضرت اویس قرنی، اور حضرت سید احمد رفاعی سے بہت کچھ حاصل کیا- ہندوستان کے صوفیۂ کرام میں حضرت ابوالحسن علی ھجویریؒ ، خواجه معین الدین چشتی، خواجه نظام الدین اولیاء ، شیخ عبدالقدوس گنگوهیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات ان کے سامنے رهیں ـ شاعروں میں حضرت شمس تبریز اور مولانا جلال الدین رومی کے علاوہ فخر الدین عراقی ، امیر خسرو ، جامی ، بیدل غنی کشمیری ، غالب، گرامی اور داغ سے کسب فیض کیا ـ صحابه کرام، اسلام کے حکماء، صلحاء صوفیه اور شعراء نے قرآن اور سنت کی روشنی میں جو کچھ سوچا اور پیش کیا ان کو انھوں نے اپنی شاعری میں فلسفیانه انداز میں مربوط منظم اور مرتب طریقه سے پیش کر دیا ہے ـ جن کو پڑھ کر قلب میں یه سوز ، روح میں یه تڑپ، خیال میں یه پختگی اور طبیعت میں یه برق وشی پیدا هوتی ہے که پیغام محمدی هی میں رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھی جا سکتی ہے ـ اسی میں ان کی شاعری کی عظمت اور ان کا انفرادی رنگ ہے جو بقول رشید احمد صدیقی اس صدی کا علم کلام بن گیا ہے ـ جو ایک نامعلوم اور طویل مدت تک تازہ رہے گا ، اس لئے که ایسی صحتمند اور بامقصد بیداری کا امتیاز شاید هی کسی اور عهد کے علم کلام کے حصه میں آیا هو ـ ( مقدمه نقوش اقبال ص ۲۱) ـ

ہندوستان میں ڈاکٹر اقبال کے عارفانه اور مذهبی خیالات کے سلسله میں یه بحث بھی اٹھ کھڑی هوئی ہے که وہ تصوف اور وحدت الوجود کے حامی یا منکر تھے ـ شیخ ابوالحسن علی ھجویریؒ نے

صوفیوں کی تین قسمیں بتائی هیں ـ صاحب وصول ، صاحب اصول اور صاحب فضول، یہ آخری قسم سے مراد پیشہ ور مدعیان طریقت یعنی تصوف کی دکان لگانے والے هیں ـ ایسے صوفیوں کے مخالف اقبال ضرور تھے اور وہ کیا هر مسلمان کو هونا چاهیئے ـ مگر وہ ان صوفیۂ کرام کے ضرور معتقد رهے جن کے حلقہ میں فسانہ هائے کرامات کی بجائے سوز مشتاقی اور جن کی خانقاهوں میں روباهی کی بجائے شیری و شاهنشی کا مدرسہ رها مگر ان کو دکھ تھا کہ یہ چیزیں اب مفقود هیں ـ

رها نہ حلقہ صوفی میں سوز مشتاقی
فسانہ هائے کرامات رہ گئے باقی

----

تھا جہاں مدرسہ شیری و شاهنشاهی
آج ان خانقھوں میں ہے فقط روباهی
قُم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت هوئے
خانقاهوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن

ان کے کلام میں بہت سے اکابر صوفیہ کا ذکر آتا ہے جس سے یہ ظاهر ہے کہ وہ ان کی زندگی اور تعلیمات سے متأثر رهے ـ میری ذاتی رائے ہے کہ وہ اس وحدت الوجود کے تو منکر تھے جو افلاطون کے یہاں ہے ، یا جو ویدانت فلسفہ کے ذریعے پھیلایا جس کی ترویج عیسائی راهبوں نے کی، یا جو کبیر، رامانج، میرا بائی، دادو، اکبر اور دارا شکوہ نے پیش کیا یا جس کے حامی ایمان و کفر، هدایت و ضلالت، نیکی و بدی، ثواب و عذاب کی تفریق مٹا کر مذهب و اخلاق سے بیگانگی پیدا کرتے هیں یا جو وحدت الوجود کے حامی بن کر اسلامی توحید سے بیگانہ هو جاتے هیں ـ یا جو خدا کے سوا کسی اور چیز کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے یا جو جبر کا قائل نہیں، اس کو وہ کافر

سمجھتے ھیں لیکن ہندوستان کے اندر حضرت شرف الدین یحیی منیری ، شیخ اشرف جہانگیر سمنانی، شیخ عبدالقدوس گنگوھی اور شاہ ولی اللہ جیسے بزرگان دین وحدت الوجود کے قائل رھے ـ خود حضرت مجدد الف ثانی کا فلسفہ وحدت الشہود ، وحدت الوجود ھی کی ترقی یافتہ شکل ہے ، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری فرمایا کرتے تھے کہ شریعت کے بغیر راہ طریقت ، میں غرور ، جہل اور حمق پیدا ھو جاتا ہے ـ جس کے بعد شیطان ورغلا کر ایمان برباد کر دیتا ہے

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کا عقیدہ تھا کہ اولیاء اللہ فنافی اللہ کے درجہ کو پہنچ نہیں سکتے جب تک کہ وہ ظاھراً و باطناً، قولاً ، فعلاً اور حالاً حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ھوں ـ شیخ عبد القدوس گنگوھی کا قول ہے کہ جو وحدت الوجود کے ساتھ کفر و اسلام ، امر و نواھی ، ثواب و عذاب ، رحم و قہر میں تفریق نہیں کرتے اور نبوت کے منکرین ھیں وہ سؤفسطائیہ ھیں جو خارج از اسلام ھیں ـ ڈاکٹر اقبال سؤفسطائیوں کے وحدت الوجود کے ضرور منکر رھے لیکن اگر وحدت الوجود سے مراد شریعت کی پابندی کے ساتھ عشق الہی کی سرشاری اور وارفتگی ہے تو ڈاکٹر اقبال یقینی طور پر وحدت الوجودی تھے، ان کے تصور عشق کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں ـ بانگ درا میں ان کے یہ اشعار بھی ھیں ـ

کثرت میں ھو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے
یہ اختلاف پھر کیوں ھنگاموں کا محل ھو
ھر شئے میں جبکہ پنہاں خاموشی ازل ھو
نفی ھستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
کمال وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوک نشتر سے تو جو چھیڑے
یقین ہے مجھکو گرے رگ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

وحدت الوجود کے حامی ان اشعار کو پڑھ کر جھوم سکتے ھیں مگر ڈاکٹر اقبال کے ایک مقرب خاص جناب خلیفه عبدالحکیم مرحوم کا بیان ہے که ڈاکٹر صاحب نے ان سے کہا که انھوں نے یه اشعار مظاھر فطرت کی اساسی وحدت کو بیان کرنے کے لئے کہے تھے ( فکر اقبال ص ۴۱۰) یه بیان اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر بال جبریل میں جو یه پکار اٹھے ھیں ۔

ع ۔ ھر ذرہ شہید کبریائی

اور یه بھی که

اک تو ہے که حق ہے اس جہاں میں باقی ہے نمود سیمیائی

تو اس کے متعلق کیا تاویل ھو سکتی ہے ؟ پھر ضرب کلیم میں ان کے دل کی گہرائیوں سے یه صدا اٹھی ۔

خرد ھوئی ہے زمان و مکان کی زناری نه ہے زمان نه مکان لا الٰه الا اللہ

علم کا موجود اور فقر کا موجود اور اشھد ان لا الٰه اشھد ان لا اله

ارمغان حجاز میں کہتے ھیں :

تو اے نادان دل آگاہ دریاب بخود مثل نیا گان راہ دریاب

چساں مومن کند پوشیدہ را فاش لا موجود الا اللہ دریاب

اگر یه کہا جائے که صحیح ھوگا که ڈاکٹر صاحب کا مطالعه جتنا وسیع ھوتا گیا وہ وحدت الوجود کو قرآن اور حدیث کے مطابق تصور کرنے لگے ، اس مسئله پر بحث کرتے ھوئے یه بھی ملحوظ رکھنا چاھیئے که وہ رمز آشنائے روم و تبریز رھے ، وہ پیر روم کو اپنا مرشد قرار دیتے ھیں ۔ ان ھی سے مرگ و زندگی کا راز سیکھا، ان ھی سے ان کو مقام کبریائی کا سرور ملا، ان ھی سے انھوں نے سربسته اسرار کے دفتر سے سارے علوم سیکھے، ان ھی کی بدولت ان کی خاک اکسیر بن گئی، ان کی نگاہ روشن ھوئی اور ان کے سبو میں جیحون منتقل ھو گیا ۔

زچشم مست رومی وام کردم　　سرورے از مقام کبریائی
باز برخوانم زفیض پیر روم　　دفتر سر بسته اسرار علوم
پیر رومی خاک را اکسیر کرد　　از غبارم جلوه ها تعمیر کرد
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحون

مولانا روم کے یہاں جہاں ایمان، ایقان، عرفان، وجود باری، پشت انبیاء ، معاد ، جبرو اختیار ، عشق و عقل، زهد و قناعت وغیرہ کی تعلیمات ہیں وہاں وہ اپنی مثنوی میں وحدت الوجود کے مسلک کی بھی ترویج کرتے گئے ہیں ، ان کے یہ اشعار تو بہت مشہور ہیں ۔

آنہا کہ طلبگار خدائید خدائید
پیروں زشما نیست شمائید شمائید
چیزے کہ نگردید گم از بہرچہ جوئید
کس غیر شما نیست کجائید کجائید

ڈاکٹر اقبال نے اپنے مرشد معنوی کے افکار و تصورات کو جس خوبی سے اپنایا ہے ، ان کے وحدت الوجود کو نہ اپناتے تو وہ اپنے کو ذہنی حیثیت سے مطمئن نہ پاتے، وہ جو یہ کہہ گئے ہیں ۔

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات، عشق سے نار حیات
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں

آخر یہ نعرے اور نغمے کیا اور کیسے ہیں ؟ ان کے عشق سے متعلق جتنے بھی فلسفیانہ رموز و نکات بیان کئے جائیں ۔ آخر میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا ، ان کا عشق خدا ہے اور ان کا خدا عشق ہے ، ان کے نزدیک انسان کی معراج یہ ہے کہ وہ عشق الٰہی میں سرشار اور مست ہو کر اسی کو مصدر حیات اور مقصود حیات بنائے، تاکہ وہ حیات لامتناہی کا مالک بن جائے ۔

عشق الٰہی میں یہ سرشاری اور مستی اگر ابن عربی کا وحدت الوجود نہیں تو اقبال کا اپنا وحدت الوجود ضرور ہے جس پر نہ صرف اس دور کی فلسفیانہ اور عارفانہ شاعری کو ناز ہے بلکہ انسان اور مسلمان دونوں کو کامل بنانے کے لئے روح پرور پیغام ہے ۔ میرا اپنا خیال ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا کلام جب اچھی طرح سمجھ لیا جائے گا تو ان کے وحدت الوجود کی قدر زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے گی ۔ جس کو فطرت کی اساس وحدت یا فطرت کی وحدت وجود یا توانا، تندرست اور متحرک وحدتِ الوجود ، یا اقبال کے طرز فکر کا وحدت الوجود جدید جو بھی چاہیں کہہ لیں ۔

ان کے وحدت الوجود میں شیخ شرف الدین یحیی منیریؒ اور شیخ اشرف جہانگیریؒ کی طرح عشق رسولؐ کے بھی نعرے ہیں، سرشارانہ اور والہانہ انداز میں نغمہ زن ہوتے ہیں ۔

از رسالت در جہاں تکوین ما از رسالت دین ما آئین ما
دین فطرت از نبی آموختیم در رہ حق مشعلے افروختیم
قوم را سرمایۂ قوت ازو حفظ سر وحدت ملت ازو
در دل مسلم مقام مصطفے است آبروئے ما زنام مصطفے است

ان کے یہاں عشق الٰہی اور عشق رسول دونوں لازم و ملزوم ہیں،

اس لئے یہاں تک کہہ جاتے ھیں کہ بحر و بر اور برگ و ساز کائنات پر حکمرانی عشق مصطفیٰ ھی کے ذریعے ھو سکتی ہے۔

ھر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحـر و بر در گوشہ دامان اوست
زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

ان مباحث سے ھٹ کر اس موقع پر یہ بھی عرض کرنا ہے کہ روائع اقبال کے مصنف مولانا ابو الحسن علی ندوی پاکستان کے وجود میں آنے سے دس سال پہلے ڈاکٹر اقبال سے ایک بار ملے تو ڈاکٹر صاحب نے ان سے فرمایا تھا کہ جو قوم اپنا ملک نہیں رکھتی ، وہ اپنے مذھب و تہذیب کو بھی برقرار نہیں رکھہ سکتی ۔ دین و تہذیب ، حکومت و شوکت ھی سے زندہ رھتے ھیں ، اسی لئے پاکستان ھی مسلم مسائل کا واحد حل ہے ( نقوش اقبال از مولانا ابو الحسن علی ندوی ص ۳۵) ، مولانا ابو الحسن علی ندوی ابھی بقید حیات ھیں ، ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو ھیں ۔ اسلامی ممالک کے ممتاز ترین علماء میں شمار ھوتے ھیں ، وہ اپنے ھندوستانی بھائیوں کے ساتھ پاکستان کی طرف دیکھہ رھے ھیں کہ یہاں کے لوگ اپنے مذھب اور اپنی تہذیب کو کس سمت لے جا رھے ھیں ۔ ان کا قبلہ و کعبہ کون سا بن رھا ہے۔ ان کے عاشق رسولؐ شاعر نے ان کو جو یہ پیغام دیا تھا کہ :

تا شعار مصطفیٰ از دست رفت    قوم را رمز بقا از دست رفت

یا ان کا جو یہ نعرہ تھا کہ :

از پیام مصطفیٰ آگاہ شو    فارغ از ارباب دون اللہ شو
شکوہ سنج سختی آئین مشو    از حدود مصطفیٰ بیرون مرو

ع ۔ مشو نومید و راہ مصطفیٰ گیر

وہ آخر وقت تک یہ کہتے رہے :

مقام خویش اگر خواهی درین دیر　　به حق دل بند و راهِ مصطفیٰ رو

کیا یہاں کے خواص و عوام ان پیامات پر عمل کر رہے ھیں یا یہ محض شاعرانہ باتیں تصور کی جا رھی ھیں یا ان کو یوٹوپیا سمجھا جا رہا ہے۔ اگر واقعی ایسا سمجھ لیا گیا ہے تو اس کے یہ معنی ھیں کہ یہاں کے لوگ اغیار کی نظر و فکر کے مال خانہ ھی میں گروی رہ کر مطمئن اور جھوٹے نگون کی صناعی اور مینا کاری ھی سے خوش رہنا چاھتے ھیں مگر ان ھی کے مفکر اعظم نے یہ کہہ کر ان کی تنبیہہ کی ہے۔

ع ۔ تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ جب یہ خاکسار ھوائی جہاز سے اسلام آباد آ رہا تھا تو اس پر اخبار جنگ کا اقبال نمبر ملا ، جس میں ھندوستان کے دو دانشوروں کی رائیں ایک مضمون میں پڑھیں ۔ ایک تو ھندوستان کے مشہور شاعر فراق گورکھپوری کی تھی، جنھوں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ آزادی کے بعد اقبال کی شاعری اور ان کی شاعرانہ عظمت و مقبولیت میں بہت کمی آ جائے گی کیونکہ ان کی شاعری کی بنیادیں ایک مخصوص مذھب کے جذبات، احساسات اور عقائد پر قائم ھیں، جن سے احیائی رجحان کا اندازہ ھوتا ہے۔ دوسری رائے ھندوستان کے ممتاز مورخ ڈاکٹر تارا چند کی تھی ، ان کا خیال تھا کہ فکر و حساس کے اعتبار سے ڈاکٹر اقبال بہت ھی عظیم شاعر ھیں، ان کی شہرت اور مقبولیت میں کمی کا سوال ھی نہیں اٹھتا ۔

حضرات ! اب آپ کا یہ امتحان ہے کہ ان دونوں پیشین گوئیوں میں کس کو صحیح ھونے کا موقع دیتے ھیں ۔ شکریہ ۔